مولانا حالی: فطرت نگار نظم گو اور دانشور

پروفیسر ڈاکٹر محمد یحییٰ صبا
شعبہ اردو، کروڑی مل کالج دہلی یونیورسٹی

Abstract: The notorious Urdu poet and writer Altaf Hussain Hali (1837–1914), popularly known as "Maulana Khawaja Hali, is one of the great pillars of Urdu literature. Born and brought up in Panipat, he learnt Arabic and Persian and received patronage from two major poets, Ghalib and Shefta. After Shefta's death, he left for Lahore and joined Punjab Government Book Depot where he got an opportunity to read Western literature. Hali paid serious heed to Mohammad Hussain Azad's call for the new Urdu poem and Sir Syed Ahmad Khan's call for rationalism in social, political and educational matters of the Muslims in particular. These two influences determined his future course of development as a poet, critic, commentator, biographer, and translator.
Khwaja Altaf Hussain Hali Hali started writing as a poet of the traditional Urdu ghazal. Later, he initiated a more serious phase of his literary career which also marked the beginning of modernism in Urdu literature. He made a major case for simplicity of expression and seriousness of thought and purpose. His engagement with the writing of ameliorative poetry explains his distaste for panegyric and ghazal which, he argued, could no longer sustain the burden of new consciousness. Instead, he emphasized upon the contemporary relevance of narrative poetry and made a case for 'natural poetry', shorn of sentimentality and based in reality. While Hali wrote in various forms, he developed a composite view of life and art in close association with each other. His Muqaddama-i-Sher-o-shairi is, in many respects, the first critical manifesto of Urdu poetry like Wordsworth's 'Preface' to the Lyrical Ballads that laid the critical parameters for the early nineteenth century Romantic poetry in English. Hali developed a serious discourse in his Muqaddama which is valued as an anthology of ideas concerning the nature of true art, its language, the parameters of its creation, and the making of taste. Muqaddima-i-Sher-o-Shairi' gave a new and purposeful trend to Urdu poetry and

led the way to literary criticism in Urdu literature. 'Musaddas' is one of the most inspiring poems in Urdu literature and had a lasting influence on the minds and attitudes of the Muslims in the sub-continent and continues to inspire them to this day. In Madd-o-jazar-e Islam, he reflected upon the rise and travails of Islam .
In Tiryaaq-e Masmoom, he developed a discourse on religious disputation, in Majaalisu-n-Nisa, he projected an argument in favour of womens' education in a fictional framework. Tabaqaat-ul Arz is his translation of an Arabic discourse. Hali wrote sober and scientific prose, plain and persuasive poetry, broadly representing the case of art for life's sake. Hali's biographies of Sir Syed, Ghalib, and Persian poet Sadi remain authentic sources till this day.
Nature, simplicity and purpose have been the leading factors behind Hali's writings. He has been the strong advocator of Sir Syed's Naturalism (Naturiyat). Barkharut, Manajat-e-Baiwah, Musaddas and a series of such kind of writings, Hali has firm believe in nature and this is the prime feature I wish to highly and present a paper on this .

کلیدی الفاظ: حالی # فطرت نگار # دانشور

مولانا الطاف حسین حالی کا نام ذہن وفکر اور سماعت سے ٹکراتے ہی ایک ایسی شخصیت کا ہیولیٰ اور خاکہ ابھر کر سامنے آتا ہے جنھوں نے ۱۹ویں صدی میں اردو شعر و ادب میں ذات واحد کے باوجود ذات جمع کے سے کارنامے انجام دیے۔ ایک طرف جہاں انھوں نے جدید اور فطری نظم نگاری کو رواج دیا، وہیں دوسری طرف باضابطہ نقد و تنقید کا بھی آغاز کیا۔ ایک طرف جہاں ان کے قلم جوہر و گوہر بار سے مشاہیر ادب و قوم کی سوانح رقم ہوئیں، وہیں انھیں تاریخ ایک مصلح قوم اور درد مند انسان کے عنوان سے بھی جانتی ہے۔ حالی کون تھے؟ حالی کیا تھے، حالی کیوں تھے اور حالی کیسے تھے؟ ان سوالوں کا ایک مختصر سا جواب تو ہمیں اس تعارف میں ملتا ہے جو ڈاکٹر شفاء اللہ ندوی نے کرایا ہے۔ ڈاکٹر ندوی لکھتے ہیں:

"مولانا الطاف حسین حالی کی علی گڑھ تحریک اور اردو ادب کے سفر میں ایک سالار قافلہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی وجاہت اور ذاتی اوصاف کا تعارف شاید یہ لفظ کر دیں: چہرہ مثل کتاب، چوڑی پیشانی، خوش سیرت و خوبصورت، عجز و انکسار کی مورت، گلستان شعر و شاعری کا بلبل، چمن نثر نگاری کا کھلتا گلاب، گلشن خاکہ نویسی و سوانح نگاری کا مہکتا پھول، حقیقت پسند ادیب، زبان اردو کا مخلص نقیب، سحر قلم نقاد، بے باک و نڈر انشا پرداز، شرافتوں کا امین، انتہائی سنجیدہ اور انتہائی متین۔ یہ ہے جناب الطاف حسین حالی کا ایک قلمی مرقع۔"

اس مختصر جواب کے بعد تفصیلی جواب بھی سطور ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

مولانا خواجہ الطاف حسین حالی ایک پیدائشی فطری شخصیت کا نام ہے چنانچہ ان کی اسی فطرت کا عمل ان کے جہان شعر و ادب، تنقید و نثر اور تاریخ و سوانح نگاری میں بھی جاری ہوا۔ آج ہم جب حالی کا مطالعہ کرتے ہیں تو پاتے ہیں کہ ان کے اسلوب میں کوئی بناوٹ نہیں، کوئی تصنع نہیں، کوئی مستعار انداز و ادا نہیں، کیوں کہ انھیں بننا نہیں آتا تھا۔ اگر آتا بھی ہو گا تو وہ بنے نہیں۔ نیز بناوٹ اس وقت پیدا ہوتی ہے جب آدمی اپنی حقیقی آواز میں نہیں بلکہ مستعار آواز میں بات کرنے لگتا ہے، چہرے پر نقاب پہنتا ہے یا تصویر کے لیے ایک ایسا پوز اختیار کرتا ہے جو اسے جو کچھ کہ وہ ہے، اس کے برعکس جو کچھ کہ وہ بننا چاہتا ہے، بنا کر پیش کرتا ہے۔ حالی کی اسی ادا، اسی انداز، اسی سادگی اور فطرت کوشی و فطرت نگاری نے ایک جہان کو حیران کر دیا۔ جو ان سے مسلسل پوچھنا چاہتا ہے کہ ان کے کلام میں یہ بے مثال اور زندہ لذت کہاں سے آئی:

لذت تیرے کلام میں آئی کہاں سے یہ؟

پوچھیں گے یہ حالی جادو بیاں سے ہم!!

خواجہ الطاف حسین حالی نے اپنی شاعری کا آغاز کرتے ہی جہان شعر و سخن کو ایک اصول دے دیا جس پر خود بھی تا عمر عمل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کی۔ انھوں نے سکھایا:

”شعر کی خوبی یہ ہے کہ وہ سادہ ہو، جوش سے بھرا ہوا اور اصلیت پر مبنی ہو۔۔۔(جاننا چاہیے کہ یہ دور نیچرل شاعری کا ہے اور) نیچرل شاعری سے مراد وہ شاعری ہے جو لفظاً و معناً دونوں حیثیتوں سے نیچر یعنی فطرت کے موافق ہو۔“

یہ ایک ایسا فرمان یا اصول تھا جس کا آغاز حالی نے ”انجمن پنجاب“ کے پہلے ہی مناظمے سے شروع کر دیا تھا، جس میں انھوں نے شہرہ آفاق نظم ”برکھا رُت“ اور دیگر تین نظمیں پڑھی تھیں۔

اس نظم کے مطالعے کے بعد یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں ہر شعر سے سادگی ٹپکتی ہے، وہیں اس سادگی میں ایسا جوش پنہاں ہے کہ خوبصورتی سے واقعات کی اصلیت سامنے آجاتی ہے، شاعر نے اس نظم کی لفظیات کو اس طرح سے برتا ہے کہ جیسے نظم میں میر کی جامع مسجد کی سیڑھیوں کی بات

ہو رہی ہو اور یوں لگتا ہے کہ برسات کے موضوع نے شاعر کو اپنی جانب پوری طرح سے کھینچ لیا ہے۔ اس نظم کا جب ایک ایک شعر آنکھوں کے سامنے کھلتا ہے تو فکر و معانی اور فطری حسن کے دریچے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ یوں دل کی دھڑکنوں میں خوشگوار ہلچل سی مچ جاتی ہے۔

آیئے! ایک بریف سائٹ اس سلسلے کے آغاز پر ڈالیں جہاں سے جدید اور فطری نظموں کا سوتا پھوٹتا ہے۔

جب ہم تاریخ کے دریچوں میں جھانکتے ہیں تو وہاں ہمیں یادگار عہد کے چند نقوش ملتے ہیں۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ناکام جدوجہد جنگ آزادی ۱۸۵۷ کے بعد جب دہلی کو فلک نے لوٹ کر ویران کر دیا۔ انگریزوں نے اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی تو اس اجڑے دیار کے رہنے والے شاعروں ، ادیبوں، فکر مندوں اور دانشوروں نے لکھنؤ، لاہور اور متعدد دیسی ریاستوں کا رخ کیا۔ اسی ہنگامۂ قیامت میں مولانا الطاف حسین حالی لاہور آ گئے۔ اور یہاں آ کر مولانا محمد حسین آزاد اور پیارے لال آشوب کے ساتھ مل کر کرنل ہالرائیڈ کے کہنے پر جدید شاعری کے مشاعرے برپا کیے۔ اس تحریک کو بعد میں "انجمن پنجاب" کا نام دیا گیا۔ انجمن پنجاب کے تحت شاعروں نے ایک بڑا اور بامقصد کام یہ کیا کہ گل و بلبل کے روایتی قصے اور ہجر و وصال کی داستانیں چھوڑ کر مناظر فطرت اور ملک و قوم کے مجموعی دکھ درد پر مسلسل نظمیں لکھیں جو کہ اس انجمن کا ایک زیریں مقصد بھی تھا پھر بعد میں اسی کو اولیت بھی حاصل ہو گئی۔ مولانا حالی نے شاعری کی زبان کو اتنا سادہ بنا دیا کہ وہ تقریباً نثر سے مل گئی۔ انجمن پنجاب کے قیام اور اس کے جلسوں کے آغاز سے فطرت نگاری، مناظر کشی، زمینی حقائق پر مبنی افکار و خیالات کا چلن عام ہوا جس کا سہرا مولانا حالی کے سر پر بندھتا ہے اور وہ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے کمر بستہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ اس مشن کا آغاز اس شعر کے ساتھ کرتے ہیں:

اے شعر! راہ راست پہ تو جبکہ پڑ لیا
اب راہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو

خواجہ الطاف حسین حالی قدرت کی طرف سے شاعری کا مادہ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ حسن و تناسب کی پرکھ، شدتِ احساس، دردِ دل کی نعمت، تخیل کی بلندی اور مشاہدے کی گہرائی، یہ وہ خصوصیات تھیں جو فطرت نے خصوصی فیاضی کے ساتھ ان کو ودیعت کی تھیں۔ بچپن ہی سے رنج و مصائب سے دوچار ہونے کے سبب ان کے دل میں سوز و گداز پیدا ہو چکا تھا۔ ان کی غزلوں میں سادگی، اصلیت اور حقیقت کا عنصر نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ وہ جذبات و احساسات کو اس ڈھنگ سے بیان کرتے ہیں کہ ان میں دل کی سچی لگن اور دھڑکن صاف سنائی دیتی ہے:

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح!
کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا!!

☆☆☆

سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد!

ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا!!

☆☆☆

یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں!

گل و بلبل کی شناسائی کا رنج کیا کیا ہیں!!

☆☆☆

ایک جان کے ساتھ زندگی!

موت ہے، حیات نہیں!!

مولانا محمد حسین آزاد نے قیام لاہور کے دوران کرنل ہالرائیڈ کی حمایت سے جن نئی قسم کے مشاعرے کی بنیاد ڈالی، ان میں نظم کے لیے عنوانات دیے جاتے تھے۔ ان مشاعروں کے لیے حالی نے چار نظمیں "برکھارت"، "نشاطِ امید"، "مناظرہ رحم وانصاف" اور "حب وطن" لکھیں۔ نظم "برکھا رت" میں ہندوستان کی فضا کی تصویر کشی ہے۔ یہی نظم ہمارے موضوع کا اہم مبحث ہے۔ اس نظم کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حالی کا مشاہدہ کتنا گہرا اور نظر کتنی باریک بیں تھی اور مظاہرِ قدرت اور مناظرِ فطرت کو انھوں نے کس قدر غور سے دیکھا ہے۔ اس نظم میں حالی کیا خوب لکھتے ہیں جس سے ان کی مناظر کشی اور دلکش موسم کی منظر نگاری کا اندازہ ہوتا ہے:

برسات کا بج رہا ہے ڈنکا

ایک شور ہے آسماں پہ برپا

ہے ابر کی فوج آگے آگے

اور پیچھے ہیں دَل کے دَل ہوا کے

گھنگور گھٹائیں چھا رہی ہیں

جنت کی ہوائیں آ رہی ہیں

کرتے ہیں پپیہے "پی ہو پی ہو"

اور مور جھنکارتے ہیں ہر سو

کوئل کی ہے کوک جی لبھاتی
گویا کہ ہے دل میں بیٹھ جاتی
ابر آیا ہے گھر کے آسماں پر
کلمے ہیں خوشی کے ہر زباں پر

یہ انداز حالی اور یہ بیان حالی۔۔۔۔ کس چیز کی کمی ہے ان اشعار میں، نہ صنعت کی، نہ عروض کی، نہ زور بیان کی اور نہ علمیت کی۔ اس کے باوجود ان کی سادگی حقیقت کی عکاس اور واضح بیان ہے۔ یہ ہے حالی کا وہ طرز، وہ اسلوب اور وہ انداز جس پر اردو شعر و ادب کو ہمیشہ ناز رہے گا اور قدرتی مناظر کو فخر بھی کہ اردو دنیا میں ایک شخص پیدا ہوا تھا جس نے ان کی بات کی اور جنھوں نے اپنی تحریر اور بیانات میں ان کا ذکر کیا۔ یہ لازوال اور بے مثال اسلوب یقیناً حالی کو ایک عظیم فطرت نگار دانشور بناتا ہے اور ان کی عظمت کو دوبالا کرتا ہے۔

مولانا حالی نے اس نظم میں برسات کے موسم کی تعریف کی ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی ہے برسات کا موسم دنیا کو نئی زندگی بخشتا ہے۔ دنیا والوں کے دلوں میں امنگیں جگاتا ہے۔ ساتھ ہی اس موسم میں جابجا باغوں میں جہاں نئے نئے پھول، پتیاں اور کونپلیں کھلتی ہیں، وہیں جھولے نظر آنے لگتے ہیں، لڑکیوں اور نو عمر دوشیزائوں کے جھولا جھولنے کا نقشہ حالی اس طرح کھینچتے ہیں:

کھم باغوں میں جابجا کھڑے ہیں
جھولے ہیں کہ سوبہ سو پڑے ہیں
کچھ لڑکیاں بالیاں ہیں کم سن
جن کے ہیں یہ کھیل کود کے دن
ہیں پھول رہی خوشی سے ساری
اور جھول رہی ہیں باری باری

یہی نہیں بلکہ زندگی کے دیگر پہلوئوں کا گہرا احساس ہمیں اس نظم میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ عالم یہ ہوتا ہے کہ قاری و سامع پڑھتے، سنتے چلے جاتے ہیں اور خود کو فطرت سے قریب تر محسوس کرتے چلے جاتے ہیں۔

حالی کی نیچرل شاعری کے متعلق پروفیسر شہزاد انجم کا خیال ہے:

حالی کی نیچرل شاعری اور قومی شاعری انھیں دیگر شعرا سے ممتاز و ممیز کرتی ہے۔ ”برکھارت“(۱۸۷۴)حالی کی ایسی ہی مناظر فطرت سے بھرپور نظم ہے۔ جس میں گرمی کی تپش، قدرت کے عجائبات، شاخ و درخت کی جوانی، مور و ملخ کی زندگانی، سارے برس کی جان برسات کا ذکر ہے۔ اس نظم میں دھوپ، گرمی، ریگ، صحرا، آندھی، لُو، زمین سے نکلتے شعلوں، باد سموم کا ذکر انتہائی پر اثر انداز میں کیا گیا ہے۔ بازار سنسان پڑے تھے اور انسانی شکل باہر سڑکوں، گلیوں میں نظر نہ آتی تھی۔ مگر جب برسات کا ڈنکا بجا تو گرمی ختم ہوگئی۔ گھنگھور گھٹائیں چھا گئیں اور جنت کی ہوائیں آنے لگیں۔ باغ، کھیت، شجر سبھی ہرے بھرے ہوگئے۔ کہسار پھولوں سے پٹ گئے اور جنگل میں چرند و پرند کی آوازیں گونجنے لگیں۔ جنگل، شہر، گائوں ہر طرف خوشی کی لہریں دوڑ جاتی ہیں۔ پوری نظم میں مناظر فطرت کی زبردست تصویر کشی کی گئی ہے۔ جزئیات نگاری کا بھی اعلیٰ نمونہ موجود ہے۔ نظم پڑھ کر گرمی اور پھر برسات کا موسم آنکھوں کے سامنے پھرنے لگتا ہے۔

اسی طرح حالی کی مشہور نظم ”مٹی کا دیا“ بھی فطرت نگاری کا عمدہ نمونہ ہے۔ حالی نے کتنے قریب سے اس حقیقت کا اعتراف کرایا ہے۔ آپ بھی ملاحظہ کریں:

جھٹپٹے کے وقت گھر سے ایک مٹی کا دیا
ایک بڑھیا نے سر رہ لا کے روشن کر دیا
تا کہ رہگیر اور پردیسی کہیں ٹھوکر نہ کھائیں
راہ سے آساں گزر جائے ہر اک چھوٹا بڑا

یہ دیا بہتر ہے ان جھاڑوں سے اور اس لیمپ سے
روشنی محلوں کے اندر ہی رہی جن کی سدا
گر نکل کر اک ذرا محلوں سے باہر دیکھیے
ہے اندھیرا گھپ در و دیوار پر چھایا ہوا
سرخ رو آفاق میں وہ رہنما مینار ہیں
روشنی سے جن کی ملاحوں کے بیڑے پار ہیں
ہم نے ان عالی بناؤں سے کیا اکثر سوال

آشکارا جن سے ان کے بانیوں کا ہے جلال
شان و شوکت کی تمہاری دھوم ہے آفاق میں
دور سے آآکے تم کو دیکھتے ہیں باکمال
قوم کو اس شان و شوکت سے تمہاری کیا ملا
دو جواب اس کا اگر رکھتی ہو یارائے مقال
سرنگوں ہو کر وہ سب بولیں زبان حال سے
ہو سکا ہم سے نہ کچھ الانفعال الانفعال
بانیوں نے تھا بنایا اس لیے گویا ہمیں
ہم کو جب دیکھیں خلف اسلاف کو رویا کریں
شوق سے اس نے بنایا مقبرہ اک شاندار
اور چھوڑا اس نے اک ایوان عالی یادگار
ایک نے دنیا کے پودے باغ میں اپنے لگائے
ایک نے چھوڑے دفینے سیم و زر کے بے شمار
اک محب قوم نے اپنے مبارک ہاتھ سے
قوم کی تعلیم کی بنیاد ڈالی استوار
ہو گی عالم میں کہو سرسبز یہ پچھلی مراد
یا وہ اگلوں کی امیدیں لائیں گی کچھ برگ و بار
چشم سرجیوں ہے جو بہتا رہے گا یاں وہی
سب اتر جائیں گی چڑھ چڑھ ندیاں برسات کی

یہ نظم از اول تا آخر فطری عناصر اور حقیقت نگاری پر مبنی ہے۔ اس میں ان ہی باتوں کو موزوں اور منظوم کیا گیا ہے جو ہمارے آس پاس کی ہیں اور جنھیں قابل اعتنا نہیں سمجھا جاتا یا حالی سے قبل و بعد کے اکثر شعرا و قلم کاروں نے انھیں نظر انداز کیا۔ مگر حالی نے انھیں زیب تن عطا کر کے خوشنما اور دلفریب بنادیا۔ حالی کا یہ بیان انتہائی خوبی اور فطرت سے لگاؤ کی علامت اور دلیل ہے۔

اسی طرح ۱۸۵۷ کے قیامت خیز ہنگاموں کے بعد دہلی کی بربادی اور تباہی کا غم بھی حالی نے فطری آشوب میں منایا۔ انھوں نے واویلا بھی کیا تو اس میں فطری عناصر کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ دہلی کی زمین، فضا، حسین مناظر، عمارتوں، محلوں، چمن و بہاروں، کا ذکر وہ انتہائی روح فرسا انداز میں کرتے ہیں:

تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ!
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز!!
داستاں گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل!
ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز!!
لے کے داغ آئے گا سینہ پہ بہت اے سیّاح!
دیکھ اس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز!!
چپّے چپّے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہِ خاک!
دفن ہوگا نہ کہیں اتنا خزانہ ہرگز!!
مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو!
اے فلک اس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز!!
جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں!
نظر آتا نہیں اک ایسا گھرانہ ہرگز!!
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زماں!
نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز!!

اس کے بعد ان صاحبان کمال کا ماتم ہے جن کے دم سے دلّی دلّی تھی۔ غالب، شیفتہ، نیّر، آزردہ، ذوق، مومن، صہبائی، کس کے لیے وہ آنسو نہیں بہاتے۔ اور آخری شعر میں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ تھا سب ختم ہو گیا اور اس کے ساتھ آنسو بھی ختم ہو گئے۔

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر!
اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز!!

دہلی کی بربادی کے آشوب کو اس وقت کے ہر بڑے قلم کار نے لکھا تھا مگر حالی ان سب میں بازی لے گئے۔ ان کی نغمہ سوزی ہی باقی رہی ،باقی سب کی فنا ہو گئی۔ کچھ بات تو ضرور ہے اور وہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے کہ حالی نے وہ اسلوب چنا جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور وہ انداز اپنایا جو انسانی جڑوں سے وابستہ ہے۔

نہ صرف یہ کہ شعر و سخن میں حالی کا موضوع اور عنوان فطرت نگاری، ماحولیات کا بیان اور قدرتی مناظر کی دلکش نمائش تھی بلکہ ان کی نثری تحریروں میں بھی اس کے جلوے نمایاں رہتے تھے۔ انھوں نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف شعر و شاعری، جسے عرف عام میں 'مقدمہ' کہا جاتا ہے، اس میں جس چیز کے اوپر سب سے زیادہ فکر انگیزی اور عمل کی دعوت دی ہے، وہ فطرت نگاری ہی ہے۔ اپنے ایک بلاگ میں ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی، حالی کی اسی خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

"حالی نے شاعری کو فطرت سے قریب رکھنے کی تلقین کی ہے۔ اور لکھا کہ قدیم دور کے شاعروں میں فطری شاعری زیادہ دکھائی دیتی ہے۔ بعد میں شاعری میں مبالغہ آرائی شامل ہوتی گئی۔ حالی نے اپنے مقدمہ میں الفاظ، لفظ اور معنی کا رشتہ اور وزن و قافیہ کی اہمیت بھی اجاگر کی ہے۔ اس کے بعد اپنے مقدمہ کے دوسرے حصہ میں اردو شاعری کی اصناف غزل، مثنوی، قصیدہ، مرثیہ اور رباعی کی اصلاح کے بارے میں اپنے خیالات پیش کیے۔"

یہ سچی اور مبنی بر حقیقت بات ہے۔ حالی نے نیچرل شاعری پر ہمیشہ زور دیا اور اپنے شاگردوں و دوستوں، مداحوں، قدردانوں، سب کے نام لکھے خطوط میں اس بات پر علاحدہ سے زور دیا کہ اصل شاعری وہی شاعری ہے جس میں اصلیت، سادگی، جوش اور فطری عناصر سے قربت یا مکمل فطری بیان ہو۔ چنانچہ ان کا یہ مشن مخصوص حلقے سے عمومی حلقوں تک عام ہو گیا۔

یہ سن کر تو ممکن ہے کہ حیرانی ہو کہ فطرت کے متلاشی اور قدردان حالی نے طب و سائنس جو کہ سراپا فطرت اور نیچر سے بحث کرتے ہیں یا ان کی کوئی تھیوری و نظریہ بغیر نیچریت و فطرت کے آگے نہیں بڑھتا، ایسے موضوع بھی پر قلم اٹھایا۔ چنانچہ لاہور سے حکیم حافظ فخر الدین کی ادارت میں نکلنے والا ماہنامہ طبیب، جلد۔ ا، شمارہ۔ ا، بابت: جنوری ۱۸۸۵ کے شمار میں شائع ہونے والی ان کی یہ نظم، حالی کے اسی نقطۂ نظر کو بیان کرتی ہے۔ حالی نے قدیم طب کو محض خیالوں اور اٹکلوں سے نکال کر جدید سائنس اور فطری عناصر سے جوڑنے کی دعوت اس نظم میں دی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

وہ طب جس پہ غش میں ہمارے اطبا

سمجھتے ہیں جس کو بیاض مسیحا
بتانے میں ہے بخل جس کے بہت سا
جسے عیب کی طرح کرتے ہیں اخفا
فقط چند نسخوں کا ہے وہ سفینہ
چلے آئے ہیں جو سینہ بہ سینہ
نہ ان کو نباتات سے آگہی ہے
نہ اصلاً خبر معدنیات کی ہے
نہ پانی کا علم اور علم ہوا ہے
نہ قانون میں ان کے کوئی خطا ہے

یہ نظم شعبۂ طب سے وابستہ طبیبوں اور ماہرین طب کے لیے کھلے بندوں دعوت فطرت اور رہنما درس ہے اور حالی کے فطری شعور و قدر دانی کا واضح بیان۔ یہ بلند نظری حالی نے جانے کہاں سے پائی تھی مگر جو بھی پائی، بہت خوب ہی پائی بلکہ لا مثال پائی۔

کلیات حالی، نظم حالی جلد دوم میں وہ تحفۃ الاخوان عنوان کے تحت زراعت کی تعلیم و جدید کاری پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جس طرح صنعت و حرفت کی تعلیم کا قوم میں پھیلنا ضروری ہے، اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ ہمارے نوجوانوں کو طریقۂ زراعت کی تعلیم دلانی ضروری ہے۔"

یہ حالاں کہ چھوٹی سی اور مختصر سی گفتگو ہے مگر اس کے اثرات و عواقب گہرائیوں کے غماز ہیں۔ زراعت و کھیتی باڑی، جس سے انسانیت کا وجود اور کائنات کا حسن و زیب قائم ہے، اس کی جانب سے کل کیا آج بھی مجموعی بے توجہی کا روح فرسا عالم ہے۔ کھیت اور ہرے بھرے جنگل سلسلہ وار تباہی و بربادی کے کگار پر ہیں، ہندو پاک میں منظم طور پر ان کا صفایا کیا جا رہا ہے، ایسے عالم میں ارتھ کوئیک، سماوی و زمینی آفتوں کا آنا اور بڑے پیمانے پر برباد کرنا کوئی عجوبہ نہیں۔ اگر حالی جیسے جہاں دیدہ دانشور کی بات مان لی جائے تو نہ صرف زمینی دفینے محفوظ و کارآمد ہوں بلکہ تباہیوں اور بربادیوں کے طویل سلسلوں سے بھی زمین والوں کو نجات مل جائے۔ حالی نے جو گزشتہ صدی میں کہا تھا اسے آج کا بچہ بچہ تسلیم کرتا ہے۔

ماخذ و مراجع

- اردو نظم، روایت سے بغاوت تک: مضمون۔ محمد الیاس میر اں پوری، اردو ریسرچ آن لائن بلاگ
- چند ہم عصر: مولوی عبد الحق۔ انجمن ترقی اردو ہند، دہلی۔
- حالی: صالحہ عابد حسین۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
- حالی کا سیاسی شعور۔ معین احسن جذبی۔ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
- ڈاکٹر محمد اسلم فاروقی کے اردو بلاگ۔ اردو دنیا آن لائن بلاگ
- روزنامہ کشمیر عظمیٰ، ۴ فروری ۲۰۱۷، سری نگر ایڈیشن
- کلیات نظم حالی: خواجہ الطاف حسین حالی، حالی بک ڈپو، پانی پت
- مقالات حالی: خواجہ الطاف حسین حالی۔ انجمن ترقی اردو ہند، علی گڑھ
- خواجہ الطاف حسین حالی (مونوگراف) مرتبہ پروفیسر شہزاد انجم۔ اردو اکادمی، دہلی۔ ۲۰۱۵

☆☆☆